15

# قومی ترقی اور عروج کے زریں اصول

(فرمودہ ۱۶ اپریل ۱۹۲۶)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

اگرچہ میں طبیعت کی علالت کی وجہ سے زیادہ تو نہیں بول سکتا۔ لیکن چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ خطبہ جمعہ پڑھانا جہاں تک ممکن ہو میرے لئے ضروری ہے۔ اس لئے اختصار کے ساتھ میں کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

دنیا میں جب کوئی نئی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور نیا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ تو اس کے ساتھ قربانیاں لازمی اور ضروری ہوتی ہیں۔ کیونکہ بغیر قربانی کے کوئی قوم نہ قوم بنی ہے اور نہ بن سکتی ہے۔ جو لوگ عاجل فوائد کو آجل فوائد کے مقابل مقدم کرتے ہیں وہ کبھی دنیا میں زندہ رہنے کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

یہ ایک وہم اور دھوکہ ہے کہ اگر ہم قربانیاں کریں گے تو تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ ایک دوست نے میری طرف خط لکھا کہ اسلام نے دولت حاصل کرنے کے کیا قواعد مقرر کئے۔ اور کیا طریق بتائے ہیں۔ اگر کوئی طریق نہیں بتائے۔ تو جماعت پر چندوں کا جو بوجھ پڑ رہا ہے اس سے خطرہ ہے کہ قوم تباہ نہ ہو جائے۔ انگریزی میں ایک لفظ فالسی (FALLACY) ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ بظاہر ایک دلیل نہایت سچی اور خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن در حقیقت اس سے زیادہ کوئی جھوٹی بات نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ خیال بھی بظاہر تو بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دراصل یہ نفس کا ایک دھوکہ اور فریب ہے۔ یہ خیال کہ اگر ہم قربانی کریں گے تو اس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ ہم تباہ اور ذلیل ہو جائیں گے۔ ایک غلط اور ترقی کے لئے تباہ کن خیال ہے۔ کبھی کوئی ایسی قوم برباد نہیں ہوئی جو ہر قسم کی قربانیوں کے لئے آمادہ ہو۔ اور وہ

قربانیاں کرتی ہو۔ ہمیشہ وہی قومیں دنیا میں برباد ہوتی رہی ہیں جن کا یہ خیال ہوا کہ ہم قربانی کرنے سے تباہ ہو جائیں گے۔

دیکھو مسلمان جو ابتدائے اسلام میں قربانیاں کرتے تھے۔ اور جو قربانیاں صحابہ کرام نے حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاءؓ کے زمانہ میں کیں وہ بنو عباس کے زمانہ میں مسلمانوں سے ظہور پذیر نہیں ہوئیں۔ جس کا یہ نتیجہ تھا کہ اسلام کو جو شان و شوکت صحابہؓ کے زمانہ میں حاصل تھی۔ وہ بنو عباس کے زمانہ میں باوجود ہر قسم کی طاقت کے حاصل نہ تھی۔ کیونکہ صحابہؓ کے وقت ان کی قربانیوں کے نتیجہ میں مسلمان ترقی کی طرف قدم اٹھا رہے تھے۔ مگر بنو عباس کے وقت چونکہ قربانیاں کرنے والے نہ رہے۔ اس لئے مسلمانوں کا قدم تنزل کی طرف جا رہا تھا۔

دیکھو وہ مسلمان جنہوں نے اپنے تمام کے تمام اموال خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔ اور اپنی جانیں کلی طور پر اسلام کی خدمت میں وقف کر دیں اور اپنے وطن اسلام کے لئے بکلّی چھوڑ دیئے۔ کیا ان کی قربانیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ تباہ اور برباد ہو گئے یا یہ کہ وہ ساری دنیا پر غالب آ گئے اور تمام دنیا پر حکمران ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد جب بنو عباس کے زمانہ میں بڑی شان و شوکت مسلمانوں کو حاصل تھی۔ دنیا کی ترقی و تنزل کی باگیں ان کے ہاتھ میں تھیں۔ اس زمانہ میں اسلام کو وہ ترقی اور عزت حاصل نہیں تھی جو صحابہؓ کے زمانہ میں حاصل تھی۔ کیونکہ بے شک بنو عباس کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس سب کچھ تھا۔ لیکن اگر کوئی چیز نہیں تھی۔ تو قربانی تھی۔ اور صحابہ کے پاس بے شک کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن ان کے پاس وہ چیز تھی۔ جو بنو عباس کے زمانہ میں نہیں تھی۔ اور وہ قربانی تھی۔ جس کے باعث وہ تمام دنیا پر حکمران اور فاتح ہو گئے۔ انہوں نے بعد کے مسلمانوں کی طرح اپنے اموال کو گھروں میں سمیٹ کر نہیں رکھا ہوا تھا۔ اور نہ انہیں اپنی جانوں کی پروا تھی۔ بلکہ سب کچھ خدا کی راہ میں اور اسلام کی ترقی کے لئے قربان کر دیا تھا۔ اب بظاہر تو یہ چاہئے تھا کہ اسلام بنو عباس کے زمانہ میں ترقی کرتا لیکن وہ اس کے خلاف صحابہ کے زمانہ میں معزز ہوا۔

پس یہ خیال کہ قربانی کے نتیجہ میں ہم ذلیل ہوں گے۔ بالکل غلط خیال ہے جو یا تو خود پسندی اور حب نفس کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ یا اس کی وجہ جنون ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ خیال اس وقت ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ جب انسان یہ خیال کرے کہ جو کچھ ہوں میں ہی ہوں۔ اور میرے ساتھ کسی اور ہستی کا تعلق نہیں۔ لیکن جب اسے یہ خیال ہو کہ میں ایک عمارت کی ایک اینٹ ہوں۔ سلسلہ کی ایک کڑی ہوں۔ اور باغ کا ایک درخت ہوں۔ تو پھر یہ خیال کبھی نہیں پیدا ہو سکتا۔

بے شک اگر قومیت دنیا میں کوئی چیز نہ ہوتی اور محض انسانیت ہی انسانیت ہوتی۔ تو پھر یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا۔ لیکن دنیا میں تو انسان کو صرف اپنی ذات سے ہی واسطہ نہیں پڑتا۔ بلکہ بیرونی دنیا سے بھی اس کو واسطہ پڑتا ہے۔ دنیا میں ہر شخص اگر یہی خیال کرے کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں قربانی کروں۔ تو ایک دم تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر یہی خیال ماں کے دل میں آجائے کہ میں کیوں اپنے بچہ کو دودھ پلا کر اپنا خون خشک کرتی پھروں۔ مجھے اس سے کیا فائدہ ہو گا۔ باپ خیال کرے کہ میں کیوں اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی بچوں پر خرچ کروں مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ تکلیف اٹھا کر بچوں کی پرورش کروں۔ مجھے کیا فائدہ پہنچے گا۔ تو کیا اس خیال کے نتیجہ میں وہ خاندان ترقی کرے گا یا تباہ ہو گا ضرور وہ خاندان تباہ ہو جائے گا درحقیقت دنیا میں بحیثیت اپنی ذات کے کوئی چیز نہیں زندہ رہ سکتی۔ بلکہ ایک دوسرے کی قربانی کے نتیجہ میں زندہ رہتی ہے۔

دیکھو آج ہندوستان میں کئی ایسے مالدار لوگ موجود ہیں۔ جن کے پاس کروڑہا روپیہ ہے۔ اور یورپ کے ہزارہا لوگ ان کے مقابلہ میں کنگال کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے بعض دولتمند ہزاروں یورپین کو اپنے ہاں ملازم رکھ سکتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ایک یورپین کنگال تو دنیا کے ہر کونہ میں عزت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ اور دنیا میں کوئی نہیں جو اس کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے۔ لیکن ہندوستانی کروڑ پتی بھی ہر جگہ ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ اس کا کیا باعث ہے۔ اس کا یہی باعث ہے کہ اس کنگال یورپین کی قوم ایک زبردست قوم ہے۔ اور اس مالدار ہندوستانی کی قوم نہایت ذلیل اور کمزور قوم ہے۔ پھر دوسرے ممالک کی بات تو الگ رہی۔ ہندوستان میں ہی دیکھو۔ کس طرح ایک ہندوستانی یورپین کی گاڑی میں بیٹھنے سے ڈرتا ہے۔ ایک بڑے سے بڑا معزز ہندوستانی گاڑی میں ذرا ایک انگریز کی آنکھوں میں سرخی اور غضب کو دیکھتا ہے تو گاڑی میں بیٹھنے سے خوف کھاتا ہے۔

کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ ایک ہندوستانی اپنے ہی ملک میں جہاں اس کے آباؤاجداد کی ہڈیاں مدفون ہیں جہاں کے گیہوں کے اندر اس کے آباء و اجداد کا خون ملا ہوا ہے۔ جہاں ہزاروں خاندانوں کی ہڈیاں ذرات اور کھاد بن کر گیہوں کی شکل اختیار کرتی اور اس سے ہندوستانیوں کا گوشت اور پوست تیار ہوتا اور اسی طرح اس ملک کی ایک ایک چیز اس کے خون سے سیراب شدہ ہے۔ اس ملک میں جو اس کا اپنا ملک کہلاتا ہے۔ اسے اتنی بھی تو جرأت نہیں ہو سکتی کہ اس گاڑی کی طرف نظر اٹھا سکے جس میں ایک یورپین بیٹھا ہوا ہو۔ پچھلے ہی دنوں کا ایک واقعہ ہے کہ گاڑی میں ایک

انگریز کی زیادتی پر اس کے خلاف دس ہندوستانیوں کی شہادت تھی۔ لیکن باوجود ان ہندوستانیوں کی شہادت کے مجسٹریٹ نے لکھا کہ میں ان کے چہروں سے دیکھتا ہوں کہ جھوٹ بول رہے تھے۔ اور میں انگریز کے مقابلہ میں ان کی شہادت کو کوئی وقعت نہیں دے سکتا۔ یہ غیر منصفانہ رویہ اس نے کیوں اختیار کیا۔ اسی لئے کہ اس انگریز کی قوم بادشاہ ہے۔ لیکن ادھر ہندوستانی ہے جو اپنے گھر میں بے شک بڑا ہو تو ہو مگر جب گھر سے باہر اپنی گلی میں ہی قدم رکھے گا تو اس کی حیثیت ایک یورپین کے مقابلہ میں اتنی بھی نہیں ہو گی۔ جتنی ایک جانور کی ہو سکتی ہے۔

آج یورپ کا ایک معمولی سے معمولی باشندہ کل دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ وہ افریقہ میں وہاں جا سکتا ہے۔ جہاں بہت حد تک ایشیائی آباد ہیں۔ وہ آسٹریلیا میں جا سکتا ہے۔ جو ایشیا کا ہی حصہ ہے۔ وہ سماٹرا اور جاوا میں جا سکتا ہے۔ جہاں ایشیائی باشندے بستے ہیں۔ لیکن ایک ہندوستانی کروڑ پتی بھی آسٹریلیا کی زمین پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ جب تک کہ وہ درخواست دیکر منظوری حاصل نہ کر لے۔ اور وجہ نہ بتائے کہ کیوں جاتا ہے اور ساتھ ہی جب تک یہ بھی نہ بتائے کہ وہ کب تک اس ملک میں ٹھہرے گا اور کب اپنے ناپاک وجود سے اس ملک کو خالی کر دے گا۔

جاپانیوں کو بے شک ایک حد تک طاقت حاصل ہے۔ لیکن وہ بھی بحیثیت قوم کے ایشیا ہی کا ایک حصہ ہیں۔ اور ایشیا کی غریب برادری سے ہی ہیں۔ اس لئے وہ تمام یورپ کے مقابلہ میں کیا کر سکتے ہیں۔ اس لئے جاپان بھی یورپ کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ اور یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ جو قربانیاں یورپ نے کی ہیں وہ ایشیا والوں نے نہیں کیں۔ آج اگر یہی ہندوستانی مالدار لوگ اپنی دولت کو قوم اور ملک کے لئے قربان کر دیں تو پھر دیکھو کس طرح تھوڑے سے عرصہ کے اندر ہندوستانی ترقی کر جاتے اور دنیا میں معزز سمجھے جاتے ہیں۔

پچھلے دنوں ایک انگریزی اخبار میں میں نے ایک واقعہ پڑھا جس کے پڑھنے سے اس وقت بھی خون میں حرکت پیدا ہوئی اور اب بھی اس قدر جوش کی لہر اٹھتی ہے کہ سر سے پاؤں تک میرا جسم گرم ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جنگ کے بعد امریکہ والوں نے ملک میں شراب کی ممانعت کر دی تھی۔ اور حکومت کے نزدیک قانوناً" شراب کا استعمال جرم قرار دیا گیا تھا۔ لیکن امریکہ کے آزاد اور مالدار لوگ جو سینکڑوں سالوں سے شراب کے عادی چلے آتے ہیں۔ اور پھر اس قدر مالدار ہیں کہ ان میں سے ایک ایک کے پاس کروڑوں نہیں اربوں روپیہ موجود ہے۔ جہاں کا ایک معمولی مزدور بھی کئی سو روپیہ ماہوار کما لیتا ہے۔ وہ شراب سے کہاں باز رہ سکتے ہیں ایسے ملک

میں اس قدر دولت ہوتے ہوئے ایسے قانون کی موجودگی میں شراب کا باہر سے پہنچانا دوسرے ممالک کے لوگوں کے لئے بہت مفید ہو سکتا ہے کیونکہ شراب بہت گراں قیمت پر فروخت ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے یورپ کے لوگوں نے وہاں چوری چوری شراب پہنچانی شروع کر دی۔ امریکہ کو اس کا علم ہوا۔ تو اس نے پہرہ پر جہاز مقرر کر دیئے کہ شراب لانے والے جہازوں کو پکڑ لیا کریں۔ اور اگر کوئی جہاز بھاگنا چاہے تو اس پر گولہ باری بھی کر دیں۔ اس کے بعد ایک جہاز امریکہ کے ساحل پر پہنچا ہی تھا امریکہ کے پہرہ والے جہاز کے افسروں کو اس کی بعض حرکات کی وجہ سے شک گذرا کہ وہ ہمارے ملک میں شراب لانا چاہتا ہے۔ اس پر انہوں نے جب جہاز کا پیچھا کیا تو اس نے اور بھی تیز حرکت شروع کر دی۔ جس سے امریکن افسروں کو اور بھی یقین ہو گیا کہ ضرور اس کے اندر شراب ہو گی۔ انہوں نے اس جہاز کو نوٹس دیا کہ ٹھہر جاؤ۔ لیکن پھر بھی وہ نہ ٹھہرا۔ بلکہ زیادہ تیزی سے چلنے لگا۔ اس کے بعد امریکن افسروں نے نوٹس دیا کہ ٹھہر جاؤ ورنہ ہم گولہ باری شروع کر دیں گے۔ اب جہاز والوں نے سمجھ لیا کہ اگر اس وقت ہم نہ ٹھہریں گے تو ضرور گولہ باری شروع ہو جائے گی۔ اس خیال سے انہوں نے جھٹ جہاز کو ٹھہرا لیا۔ اور اپنا جھنڈا بلند کر دیا۔ اب بحری قانون یہ ہے کہ جس جگہ سمندر میں کسی حکومت کا جہاز ہو وہ سمندر اسی حکومت کا سمجھا جاتا ہے۔ اور اس جگہ حملہ کرنا گویا اس حکومت پر حملہ کرنا ہوتا ہے۔ اس قانون کے مطابق انگریزی جہاز نے جب اپنا جھنڈا کھڑا کر دیا تو اس کا یہ مطلب تھا کہ اس پر حملہ کرنا برطانیہ پر حملہ کرنا ہو گا اور کہہ دیا کہ یہ جھنڈا دیکھ لو اور اگر طاقت ہے تو گولہ باری کرو۔ یہ دیکھ کر امریکن جنگی جہاز نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔ اور چپ چاپ واپس آگیا۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ یہی تھی کہ امریکہ والوں نے سمجھا کہ اگر اس پر حملہ کیا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انگریزوں کو لڑائی کا الٹی میٹم دے دیا۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ تھوڑی سی بات پر امریکہ انگلستان کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی۔ جس میں قوم کی بیشمار دولت اور جانیں ضائع ہوں گی۔ اور ملک کا امن برباد ہو جائے گا۔ یہ انگلستان کی طاقت اور قوت کا خوف تھا۔ اور یہ طاقت نتیجہ ہے انگلستان کے افراد کی ان قربانیوں کا جو انہوں نے اپنے ملک اور قوم کے لئے کیں۔ انگلستان کے ساحل پر جنگی بیڑا ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اور کسی طاقت کی مجال نہیں کہ انگلستان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ اور اس سے مقابلہ کا خیال دل میں لائے۔

ایک وقت تھا جب یہی انگلستان دنیا میں اسی طرح ذلیل سمجھا جاتا تھا جیسے آج ہندوستان سمجھا جاتا ہے۔ اس پر غیر ملک کے لوگ حکومت کرتے رہے اور انگلستان کے لوگوں پر طرح طرح

کے ظلم و ستم کرتے رہے۔ مگر اس نے اپنی قربانیوں کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ آزاد ہونا شروع کیا۔ سپین ہمیشہ انگریزوں کو ذلیل کرتا رہتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس زبردست جنگی بیڑا تھا۔ وہ انگلینڈ کو ابھرنے نہیں دیتا تھا۔ آخر کار انگلینڈ کے بڑے بڑے لوگوں نے تنگ آکر یہ تجویز کی کہ سپین کے جہازوں پر متواتر ڈاکے ڈال کر اس کی طاقت کو توڑ دیا جائے۔ چونکہ انگلینڈ سپین کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے ان لوگوں جو کو سپین کے جہازوں پر حملے کرتے تھے۔ مجرم قرار دینا پڑے گا۔ اور اس طرح ان کے لئے اپنے ملک میں بھی امن نہ رہا۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے کوئی پروا نہ کی اور سالہا سال سمندر میں رہائش اختیار کرتے ہوئے سپین کی بحری طاقت کو توڑنے میں مصروف رہے۔ اور اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر اور زر و مال تباہ کر کے سپین کی طاقت کو کمزور کر دیا۔ ایسی ہی قربانیوں کا آج یہ نتیجہ ہے کہ انگلینڈ سے سارا یورپ اسی طرح ڈرتا ہے۔ جیسے ہندوستانی ڈرتے ہیں۔

پس تمام ترقی اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ کسی قوم کے افراد ہر قسم کی قربانیاں کریں۔ اور اسی طرح سینکڑوں سال تک اس قوم کی نسلیں متواتر قربانی کرتی چلی جائیں۔ تب جا کر کوئی قوم ترقی کی وارث ٹھہرتی ہے۔ درحقیقت کوئی ترقی اور کوئی زندگی بغیر فنا کے نہیں حاصل ہو سکتی۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ دیکھو روٹی پکانے والے کو ایک روٹی کے لئے تین دفعہ تنور میں جانا پڑتا ہے۔ ایک دفعہ لگانے کے لئے دوسری دفعہ اسے دیکھنے کے لئے اور تیسری دفعہ اتارنے کے لئے۔ گویا ایک روٹی کے لئے اسے تین دفعہ جہنم میں جانا ہوتا ہے۔ یہی مثال تمام ترقیات میں چلتی ہے۔ کوئی ترقی بغیر قربانی کے نہیں۔ تمام قومی ترقیاں افراد کی قربانی پر منحصر ہوتی ہیں۔ اور افراد بھی کبھی ترقی اور عزت نہیں حاصل کر سکتے۔ جب تک تمام کی تمام قوم قربانی کر کے عزت اور ترقی نہ حاصل کرے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون** (العنکبوت ۳) کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ وہ صرف اتنے پر ہی چھوڑ دئے جائیں گے کہ انہوں نے کہہ دیا ہم ایمان لے آئے نہیں جس طرح سونا بھٹی میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے اسی طرح ہم مومنوں کو بھٹی میں ڈال کر صاف کریں گے۔ کیونکہ جب تک ترقی چاہنے والی قوم ایسے مصائب میں نہ پڑے جو آگ کی بھٹی کا نمونہ ہوں تب تک وہ قوم کبھی ترقی اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتی اور جانتے ہو آگ میں پڑنے والے کا کیا باقی رہ جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ جل کر راکھ ہو جائے۔ اور

کیا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ ایسی ایسی قربانیاں نہ کرے کہ گویا وہ آگ میں پڑ کر بالکل راکھ ہو گئی ہے۔ اور اس کا کچھ باقی نہیں رہا۔ جب کوئی قوم اس حالت کو پہنچ جاتی ہے تب وہ اٹھتی اور بلند ہوتی ہے۔ اور دنیا میں زندہ قوم کہلاتی ہے۔

پس اس شخص کے سوال کا کہ قومی ترقی کا کیا گر ہے۔ یہی جواب ہے کہ قومی ترقی کا ایک ہی گر ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ تم فنا ہو جاؤ۔ جو قوم بھی دنیا میں زندہ ہوئی ہے۔ اسی طرح ہوئی ہے کہ پہلے اس نے اپنے آپ کو فنا کر دیا۔ قومیں تو الگ رہیں۔ انفرادی ترقی بھی بغیر قربانی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ دیکھو ایک باپ جو ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ پاتا ہے۔ وہ اپنے چار پانچ بچوں کو تعلیم دلاتا ہے۔ اور اپنی تمام کمائی بچوں کی تعلیم پر خرچ کر دیتا ہے۔ وہ کنگال ہوتا ہوا معلوم دیتا ہے۔ اور اسکی تمام کمائی بظاہر برباد ہوتی نظر آتی ہے۔ لیکن کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ تباہ ہو رہا ہے۔ نہیں بلکہ وہ ترقی کر رہا ہے۔ کیونکہ پہلے اس گھرانہ میں اگر ایک شخص سو ڈیڑھ سو روپیہ کمانے والا تھا تو اب اس گھرانہ میں چار پانچ آدمی کمانے والے ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ باپ پہلے اپنی جائداد اور اپنا روپیہ بچوں کی تعلیم میں فنا نہ کرتا تو اس کو یہ ترقی کیسے مل سکتی تھی۔ یہ ترقی اس جائداد اور روپیہ کے قربان کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح جو سلسلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم ہوتے ہیں ان کے اخراجات بھی ایسے ہی کاموں پر ہوتے ہیں جن کے نتیجہ میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً اشاعت کا ہی کام لے لو۔ بظاہر اس پر روپیہ خرچ کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ تباہ ہو رہا ہے۔ لیکن درحقیقت اس روپیہ سے اور کئی ہزار آدمی تیار ہو رہے ہوتے ہیں۔ جس سے جماعت کی طاقت علیحدہ بڑھتی ہے اور دشمن کی طاقت علیحدہ گھٹتی ہے۔ کیونکہ جتنے آدمی جماعت میں نئے داخل ہو جائیں گے۔ اتنے ہی دشمن کے کم ہو جائیں گے۔ اس طرح جماعت کی مالی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح تعلیم و تربیت پر روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس کا فائدہ بھی ہم کو ہی پہنچتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ عجیب بات ہے۔ ہم نام تو یہ رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کیا۔ لیکن درحقیقت سب کچھ ہمارے ہی فائدہ کے لئے خرچ ہو رہا ہوتا ہے۔ ایک پیسہ بھی تو ہمارا خدا تعالیٰ کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا بلکہ وہ ہماری ہی بہتری اور ترقی کے لئے خرچ ہوتا ہے۔ اور اس کا فائدہ ہماری طرف ہی لوٹتا ہے۔ ہماری مثال تو اس شخص کی سی ہے۔ جو کسی سے روپیہ لے اور اپنے بچوں پر خرچ کر ڈالے اور پھر نام دوسرے کا کر دے۔ درحقیقت وہ قوم بھی دنیا میں کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ جو غرباء کی خبر گیری نہ کرتی ہو۔ اور ان کی خدمت کے لئے کچھ نہ کرتی ہو۔ ہمیشہ وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے۔ جو

اپنے غریب افراد کی زندگی کا خیال رکھتی ہے۔ مثلاً ایک شخص قومی کام کرتے کرتے مرگیا۔ اب اگر اس کی بیوی بچوں کی پرورش نہ کی جائے گی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک طرف تو دوسرے لوگ اس قوم میں کبھی داخل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ خیال کریں گے کہ یہ تو ایک سنگ دل قوم ہے۔ جس میں بیواؤں اور یتیموں کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ایسی سیاہ دل قوم میں داخل ہو کر کیا لینا ہے۔ اور دوسری طرف کام کرنے والوں میں بزدلی پیدا ہو گی اور سمجھیں گے کہ ہم مر گئے تو پیچھے ہمارے بیوی بچوں کی کون خبرگیری کرے گا۔ لیکن اگر لوگ یہ دیکھیں گے کہ قوم میں یتیم بچوں اور بیواؤں کی خبرگیری کی جاتی ہے۔ اور غرباء کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تو بڑی خوشی سے قربانی کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ پس قربانی کی روح ہمیشہ غرباء کی خدمت اور پرورش سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور غرباء کی پرورش ایسی چیز ہے۔ جو قومی قربانی کے لئے جرأت دلاتی ہے۔ غرض ترقی کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ جب تک پہلے قربانی نہ کی جائے۔ تب تک کسی کام میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ زمینداروں کو ہی دیکھ لو۔ پہلے وہ بیلوں پر اور ہل وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں اور پھر اپنے گھر کا غلہ زمین میں ڈال دیتے ہیں۔ تب جا کر پیداوار گھر لاتے ہیں۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اس سے کئی گنا زیادہ غلہ لاتے ہیں۔ غرض ترقی کا ایک ہی گر ہے کہ افراد اپنے آپ کو قربان کر دیں اور جب افراد اپنے آپ کو قربان کریں گے تو قوم ترقی کر جائے گی۔ تاریخ میں جو کوئی قوم بھی ترقی کے زینہ پر چڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے وہ وہی قوم ہوتی ہے جس کے افراد نے یہ تہیہ کر لیا ہو کہ ہم قوم کے لئے فنا ہو جائیں لیکن جس قوم نے کہا کہ ہم مر گئے تو کیا ہو گا وہی قوم ہمیشہ تباہ اور ذلیل ہوتی رہی ہے۔

آج اس کی مثال میں ہندوستان کو ہی دیکھ لو۔ مسٹر گاندھی نے جب گورنمنٹ کے خلاف آواز اٹھائی تو پہلے پہل بہت لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ خود حکومت بھی گھبرا گئی تھی۔ اور بعض ہماری جماعت کے لوگوں نے بھی مجھے لکھا کہ اب کیا ہو گا۔ لیکن مجھے ان گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھڑے ہونے والوں کے متعلق ایک قصہ یاد آتا۔ جو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک امیر کے باورچی خانہ میں اس کے باورچیوں کی غفلت سے دروازہ نہیں لگا ہوا تھا۔ اس وجہ سے کتے اس میں آگھسا کرتے اور خوب کھاتے۔ آخر ایک دن امیر کو پتہ لگا تو اس نے دروازہ لگوا دیا۔ اور دروازے بند کرنے کے لئے حکم دیدیا۔ جب کتوں کو معلوم ہوا تو گھبرائے کہ اب کیا بنے گا۔ ان میں سے ایک بڈھے کتے نے کہا۔ گھبراتے کیوں ہو۔ بے شک امیر نے دروازہ لگا دیا ہے لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ دروازہ بند کون کرے گا۔ اب بھی وہی نوکر ہیں۔ جو پہلے باورچی خانہ پر مقرر تھے۔ اسی طرح مسٹر

گاندھی نے بہت شور مچایا۔ اور دوسرے لوگوں نے شور مچایا۔ لیکن اصل جڑ کو انہوں نے نہ پکڑا۔ جب تک اپنے آدمیوں کی اصلاح نہ ہو۔ اور وہ قربانی کے لئے تیار نہ ہوں۔ تب تک صرف (Non-co-Operation) نان کواپریشن سے کچھ نہیں ہوتا۔ دنیا میں محض شور مچانے سے تو کچھ نہیں بنتا۔ ہمیشہ کام کرنے سے کچھ بنا کرتا ہے۔ بھلا نان کو اپریشن سے کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ جب کہ ہندوستان کی بہت بڑی تباہی کا موجب اپنے ہی آدمیوں کی بد دیانتیاں اور دھوکہ بازیاں ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے اور خود ہندوستانی بھی اس کو محسوس کرتے ہیں کہ عام طور پر انگریز بد دیانت نہیں ہوتے خود ہندوستانی ہی ایک دوسرے کا گلا گھونٹ رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ جب کبھی ہندو مسلمانوں میں فساد ہوتا ہے تو وہ دونوں فریق انگریزوں کے پاس اپنا مقدمہ لے جاتے ہیں اور انگریز مجسٹریٹ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں جو اس بات کا صاف اقرار ہے کہ ان کے نزدیک انگریز مجسٹریٹ دیانتداری اور انصاف سے کام لیتے ہیں۔ لیکن ہندوستانی آپس میں بد دیانتی سے کام لیتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ انگریز مجسٹریٹ کسی مذہبی وجہ سے دیانت دار نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ حکومت کے لمبے تجربہ کی وجہ سے دیانت اور بد دیانتی کے نتائج سے خوب واقف ہیں۔ اس لئے دیانتداری سے کام لیتے ہیں۔ پھر گورنمنٹ تک رپورٹیں پہنچانے والے کون ہوتے ہیں پولیس میں جھوٹی رپورٹیں بھیجنے والے کون ہوتے ہیں۔ کیا وہ ہندوستانی نہیں ہوتے۔ جھوٹی رپورٹیں پہنچانے والے ہیں تو ہندوستانی جھوٹی گواہیاں دینے والے ہیں تو ہندوستانی۔ قوم میں تفرقہ اور پھوٹ پیدا کرنے والے ہیں تو ہندوستانی۔ اور بد دیانت مجسٹریٹ اگر دیکھے جائیں تو ہندوستانی ہی ہوں گے۔ وائسرائے اور گورنر کے ہاتھ میں ہوتا کیا ہے۔ یہی پولیس کی جھوٹی رپورٹیں ہیں اور پولیس میں ہندوستانی ہی ہوتے ہیں۔ پولیس میں کام کرنے والے اپنے انگریز افسروں کو خوش کرنے کے لئے جھوٹی رپورٹیں پہنچاتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی ترقی اور آزادی صرف تعلیم یافتہ طبقہ کی اصلاح اور تربیت پر موقوف ہے۔ اور یہ بہت آسان کام ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ عوام کو جن کی تعداد کئی کروڑ ہے کوئی بات منوائی اور اس پر عمل کرایا جائے۔ اگر تین چار لاکھ تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی قابو کیا جائے اور ان کی کچھ عرصہ تک تربیت کی جائے اور وہ لوگ ملک کے لئے متواتر قربانیاں کریں۔ تو ملک آزادی اور ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ پھر ملک کی اصلاح اور ترقی تعاون سے ہو سکتی ہے۔ اور تعاون بھی تب ہو سکتا ہے جب تعلیم اور دیانت ہو اور اس کے ساتھ قربانی کی روح موجود ہو۔ مثلاً ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص

ہزاروں روپیہ کی ملازمت یا جس کام پر ہو۔ اسے قربان کر کے محض قوم کی خاطر تھانیداری منظور کر لے۔ تو وہ ضرور دیانت کے ساتھ کام کرے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے ملک کے فوائد کی خاطر ہزاروں روپیہ پر لات ماری ہو گی۔ اس کو نہ تو کوئی روپیہ کا لالچ بد دیانتی کی طرف لے جائے گا۔ اور نہ عہدہ میں ترقی کے لئے افسروں کو خوش کرنے کے لئے جھوٹی رپورٹیں پہنچانے اور خوشامد کرنے کی ضرورت ہو گی۔ ایسا شخص کبھی بد دیانتی کے قریب تک نہیں جائے گا ہندوستانی اس طریق پر عمل کریں۔ پھر دیکھیں کس طرح ہندوستان کی حکومت تھوڑے عرصہ کے اندر ہندوستانیوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔

جب کوئی نیا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ اور نئی قوم بنی شروع ہوتی ہے۔ تو اس کی ترقی کے لئے تو سینکڑوں سال تک متواتر قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی قوم میں اگر یہ احساس پیدا ہو کہ ہم قوم کے لئے کنگال ہو گئے تو یہ اس کے تنزل کا پہلا قدم ہو گا۔ ہم نے تو ابھی کچھ کیا ہی نہیں۔ ابھی ہمارے سلسلہ کی عمر ہی کیا ہے۔ ۳۵ سال تو کل ہمارے سلسلہ کی عمر ہے۔ ہم میں سے اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے۔ کہ ہم نے بہت قربانیاں کر لی ہیں تو وہ نادان ہے اور ترقی کے اصول سے ناواقف۔ ایک مورخ لکھتا ہے کوئی قوم دنیا میں تبھی ترقی اور عزت حاصل کر سکتی ہے جب وہ کم از کم دو سو سال تک متواتر قربانیاں کرتی چلی جائے۔ اس لحاظ سے تو ابھی ہمیں کم از کم ۱۶۵ سال تک اور متواتر قربانیوں کی ضرورت ہے۔ تب جا کر ہم قلیل ترقی کے مستحق ٹھہریں گے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ تو ۳۰۰ سال کے بعد ہماری ترقی کے لئے فرماتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے ماننے والوں نے بھی تین صدیوں کے بعد ہی ترقی حاصل کی تھی۔ پس یہ مت خیال کرو کہ تم اپنے گھروں میں مال جمع کر کے ترقی حاصل کر لو گے۔ اور یہ مت خیال کرو کہ تم اپنی جانیں اپنے پاس رکھ کر کامیابی اور عزت کے وارث ہو جاؤ گے۔ بلکہ ایک لمبے زمانہ تک متواتر قربانیوں کے بعد عزت اور ترقی حاصل ہو گی۔

قرآن کریم جو تمہیں ترقی حاصل کرنے کے گر اور اصول بتانے آیا ہے۔ وہ تمہیں عظیم الشان ترقیات اور عزت کے حصول کے لئے یہ گر بتاتا ہے۔ کہ جاؤ تم اپنے آپ کو قربان کر دو اور سچی قربانی کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ تب تمام دنیا کی گردنیں تمہارے آگے خم ہو جائیں گی۔ اگر کہیں کہ اس وقت ہی ہمیں کامل ترقی مل جائے تو اس کے متعلق کہنا پڑے گا کے آمدی و کے پیر شدی کبھی ۳۵ سال میں بھی کوئی قوم بنی ہے۔ تاریخ ایسی کوئی نظیر پیش نہیں کرتی کہ کوئی قوم اتنے قلیل عرصہ میں ترقی کے مینار پر پہنچ گئی ہو اور ہماری تو کوئی بنی بنائی قوم ہی نہیں۔ ہماری قوم کی بنیاد تو ایک شخص رکھنے والا تھا۔ یعنی ہمارے سلسلہ کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور حضرت مسیح

موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ہماری ترقیات کا زمانہ ۳۰۰ سال بعد بتایا ہے۔ اس لحاظ سے ۳۰۰ سال میں نسلاً بعد نسلٍ قربانیوں کے بعد جا کر ترقی اور اقبال کا زمانہ ہم پر آسکتا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس عرصہ تک ہم برابر اپنے مالوں کو اپنی جانوں کو اپنی آبروؤں کو اپنے جذبات اور احساسات کو اپنی قومیت اور انفرادیت کو قربان کرتے چلے جائیں اور اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ ہماری قربانیوں کا نتیجہ کب نکلے گا۔ اور بعد میں آنے والوں کی ترقی ہو گی تو ہمیں کیا۔ کیونکہ اس وقت ہماری ہی ترقی کہلائے گی۔ دیکھو محمد رسول اللہ ﷺ نے کس قدر قربانیاں کیں۔ لیکن کیا آپ کی قربانیوں کا نتیجہ آپ کی زندگی میں ہی نکل آیا تھا۔ اور پھر کیا وہ ترقی جو آپ کے بعد آپ کی قوم کو حاصل ہوئی وہ آپ کی ترقی نہیں کہلاتی کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ محمد رسول اللہ ﷺ نعوذ باللہ آج مردہ ہیں ہرگز نہیں کیونکہ اگر کوئی صحیح معنوں میں زندہ ہے تو حضرت نبی کریم ﷺ ہی ہیں۔ اور مسلمانوں کی تمام تر ترقیوں کا باعث آپ ہی کی قربانیاں ہیں۔ کیا بنو عباس کی حکومت ان کی اپنی تلواروں کا نتیجہ تھی۔ ان کی تلواروں کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ وہ صحابہ کی تلواروں کا نتیجہ تھی۔ اور یہ خیال کہ ہم مرگئے تو ہمیں کیا۔ یہ خیال یا تو کمی محبت کا نتیجہ ہے یا جنون کا نتیجہ کیا کبھی کوئی ماں بھی یہ کہتی ہے کہ میں بچہ کی کیوں پرورش کروں اس کے بڑھنے اور ترقی کرنے سے مجھے کیا۔ بلکہ اسے اگر کوئی کہے کہ تو کیوں بچہ کی پرورش کرتی ہے۔ تجھے اس سے کیا فائدہ؟ تو وہ بد دعائیں دینے لگ جائے گی سچی محبت میں تو انسان چاہتا ہے کہ کاش! میں مرجاؤں لیکن میرا محبوب زندہ رہے پس جن لوگوں کو اسلام سے سچی محبت ہے وہ کبھی اس قسم کا وسوسہ نہیں پیدا کر سکتے۔ کہ ہم اگر قربان ہو جائیں گے تو ہمیں کیا ملا۔

دیکھو عرب کے لوگ جو جاہل تھے۔ وہ بھی اس بات کو سمجھتے تھے کہ جو شخص اپنی قوم اور خاندانوں کے لئے مارا جائے۔ اس کا اگر بدلہ لینے والا کوئی ہو تو وہ مردہ نہیں ہوتا۔ بلکہ درحقیقت زندہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی اس اصول کو لیا ہے۔ کہ جو لوگ خدا کی راہ میں قربان ہو جاتے ہیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ زندہ ہیں۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نعوذ باللہ دنیا سے ناکام گئے یا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت امیر حمزہؓ دنیا سے ناکام گئے۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ احد میں جان دینے والے صحابہؓ ناکام چلے گئے۔ وہ تو آج تک زندہ ہیں۔ اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ جبکہ ساری ترقیات ان کے خون سے سیراب ہونے کے نتیجہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر محبت اور سچی قربانی کا جذبہ پیدا کرے۔ ہماری زندگیاں اس وقت تک زندگیاں کہلا سکتی ہیں۔ جب تک سلسلہ کی ترقی میں خرچ ہوں۔

(الفضل ۳۰ اپریل ۱۹۲۶ء)